**OPEN ACCESS**
*Al-Duhaa*
﴾*Journal of Islamic Studies*﴿
*ISSN (print): 2710-0812*
*ISSN (online): 2710-3617*
*www.alduhaa.com*

*Al-duhaa, Vol.:2, Issue: 2, July-Dec 2021*
*DOI:10.51665/al-duhaa.002.02.0150, PP: 354-362*

# تصور جہاد پر مستشرقین کے اعتراضات کا تجزیاتی مطالعہ

# *An analytical study of Orientalists' objections to the concept of jihad*

**Published:**
31-12-2021
**Accepted:**
25-10-2021
**Received:**
25-09-2021

***Zulfiqar Ali***
*Doctoral Candidate, Department of Islamic Thought History & Culture, Faculty of Arabic & Islamic Studies, AIOU Islamabad*
*Email: zolfiqar83@gmail.com*

***Prof. Dr. Ali Asghar Chishti***
*Ex.Dean Faculty of Arabic & Islamic Studies, AIOU Islamabad*
*Email: chishtisabri.aiouisb@gmail.com*

## *Abstract*

*Orientalists' objections to the concept of jihad is a most popular debate among the researchers because it is being interlinked with the terrorism. This debate is in a strong relation with the concept of Jihad which is the most highlighted issue by the orientalists. Terrorism as it is a hot issue of our time and struggles by the orientalists' groups to declare the word of Jihad as terrorism needs to explore this topic. The general objections are the ones that are being repeated again and again by the Orientalists. Every new Orientalist raises the same objection again, after changing words and interpretations. Behind this is the thought that they should not let people pay attention to the crimes of western thoughts. Another reason why Orientalists express their objections in a new way every time is their prejudice due to which they ignore the clear injunctions of Islam and they make accusations against Islam which are clearly rejected in the Qur'an and Sunnah. But repeating it multiple times creates a hype and misleads the simple minds. This topic needs a multi sided study, but this paper is limited to an analytical study of Orientalists' objections to the concept of jihad.*

***Keyword:*** *Concept of Jihad, Orientalists' objections to the concept of jihad, Jihad & Terrorism,*

**تعارف:**

شریعت اسلامیہ نے جہاں مملکت کے داخلی تحفظ کے لئے احکامات مشروع قرار دے کر مختلف حوالوں سے فرد اور معاشرہ

کو بگاڑ سے بچانے کا اہتمام کیا ہے، اسی طرح خارجی ظلم اور جارحیت کا تدارک بھی جہاد بالسیف کے ذریعے کیا ہے کیونکہ شریعت اسلامیہ کا مقصد محض کسی زمین کے ٹکڑے کو حاصل کر کے ریاست کا قیام نہیں، بلکہ پوری دنیا کے ہر خطے، ہر رنگ و نسل اور زبان کے حامل افراد کو تحفظ فراہم کرنا ہے تاکہ وہ انسان کی بندگی اور طاقت ور کے تسلط سے نکل کر صرف ایک معبود برحق کی اطاعت اختیار کرنے میں مکمل آزاد ہوں۔ اس لئے شریعت نے قتال کو جائز قرار دیتے ہوئے آداب القتال بھی بیان کئے تاکہ قتال محض قتل و غارت اور فساد نہ رہ جائے بلکہ ضرورت پڑنے پر حدود اللہ کا لحاظ رکھتے ہوئے قتال کیا جائے اور قتال کے اسباب اور جائز صورتیں بھی وضاحت کے ساتھ بیان کر دیں۔ دنیا کے تمام مذاہب اور طبقات جنگ اور قتال کو اپنی بقا کے لیے لازمی سمجھتے ہیں لیکن اسلام اس سلسلے میں اپنی امتیازی شان رکھتا ہے کہ اس کی رو سے جنگ کے اصول و ضوابط، شرائط و اسباب مقرر کیے گئے ہیں یہی وجہ ہے کہ عہد رسالت ﷺ، عہد خلفائے راشدین، اور بعد کے مسلمانوں کی تاریخ میں جہاں بھی مسلمان غیر مسلموں کے ساتھ برسرپیکار رہے وہاں مسلمانوں نے باوجود فتح اور غلبے کے اس علاقے کے باشندوں، ان کے اموال واملاک اور ان کی عزت وآبرو کو بھرپور تحفظ فراہم کیا کیونکہ جس فکر کی روشنی میں انہیں جہاد کا سبق ملا تھا وہ فکر ہی انہیں اخلاقیات اور حدود کا بھی پابند بنا رہی تھی۔

اس کے برعکس جب ہم دوسرے مذاہب اور اقوام کا رویہ دیکھتے ہیں تو وہاں حالت جنگ میں انسانیت، اخلاقیات اور حسن سلوک کی بجائے بربریت، وحشت اور حیوانیت کے مظاہر دکھائی دیتے ہیں، موجودہ دور میں جب انسانی حقوق کے علمبردار افغانستان، عراق، شام، لیبیا، فلسطین، کشمیر اور دیگر خطوں میں جنگی حالات سے نبرد آزما ہوتے ہیں تو انسانی حقوق کی پامالی کی بدترین صورتیں رونما ہوتی ہیں، اور انسانیت کے قتل عام کی تاریخیں رقم کی جاتی ہیں، ظلم وبربریت اس حد تک بڑھ جاتی ہے کہ نہ تو خواتین کی عزتیں محفوظ ہوتی ہیں اور نہ ہی بوڑھوں اور بچوں کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔

**دفاع انسان کا فطری حق ہے**

دفاع چونکہ انسان کا فطری حق ہے چاہے وہ انفرادی طور پر ہو یا اجتماعی طور پر جب بھی اس کی ضرورت ہوگی دفاع کیا جائے گا، اس لئے ریاست چاہے مسلم ہو یا غیر مسلم وہ اپنے دفاع کے لئے مسلح جدوجہد کر سکتی ہے، اور اس بابت کوئی اس پر تنقید کرنے کا حق نہیں رکھتا، اسی طرح اگر ایک ریاست کا شہری کسی دوسری ریاست کے زیر عتاب ہے یا اس کے حقوق کو خطرہ ہے تو اس کے لئے مناسب اقدام اٹھانا بھی اس ریاست کا حق ہے، لیکن اسلام اس سے آگے بڑھ کر پوری انسانیت کو اللہ کا کنبہ تصور کرتا ہے اور پوری انسانیت کے حقوق کا تحفظ، ان کے راہ راست پر چلنے کے لئے راہنمائی فراہم کرنے کا اہتمام اور انہیں ظلم سے بچانے کے لئے مسلمانوں پر ذمہ داری عائد کرتا ہے، اس لئے اسلام تمام انسانیت کو اپنے فکر و فلسفہ کی دعوت دیتا ہے اور انسانیت کو وحی الہی کی راہنمائی میں آزادی سے زندگی گزارنے کی طرف بلاتا ہے۔ اس دعوت کے پہنچانے کے بعد اسلام بلا کسی جبر واکراہ کے اپنی آزادانہ رائے سے اس نظام الہی کو قبول کرنے والوں کو اپنے دامن میں خوش آمدید کہتا ہے، اور اس دعوت میں حائل رکاوٹوں کو ختم کرنے کے لئے ہر طرح کے وسائل استعمال کرنے کی ترغیب دیتا ہے، ان وسائل میں سے ایک وسیلہ جہاد ہے۔ یہ مضمون جہاد سے متعلق ہے جس میں جہاد سے متعلق مستشرقین کے افکار پر بحث کی جائے گی۔

## استشراق کی تحریک اور جہاد سے متعلق غلط فہمی کا آغاز

مغرب نے جب مسلمانوں کے سامنے خود کو علمی اور جنگی طور پر کمزور پایا تو اس کے مقابلے کے لئے انہوں نے علوم شرقیہ کا مطالعہ کرنا شروع کیا تاکہ اس لحاظ سے مسلمانوں کے درمیان شکوک وشبہات کی فضاء قائم کی جائے، اور انہیں باہم لڑایا جائے، ان کا یہ ہتھیار بڑی حد تک مؤثر ثابت ہوا، ابتدائی طور پر انہوں نے اسلامی علوم کے مختلف گوشوں کو ہدف تنقید بنایا اور خود انہی کے لوگوں نے اس تحریک کو چلایا جبکہ بعد میں انہیں بعض ایسے مسلمان میسر آگئے جنہوں نے شعوری یا لاشعوری طور پر ان کے افکار کو پھیلانے کی ذمہ داری لی، اور یہ حربہ مسلم نوجوانوں کے لیے زیادہ خطرناک ثابت ہوا کہ مسلمانوں کے روپ میں اہل مغرب کی ترجمانی کرنے والوں نے نوجوان نسل کے اذہان کو اسلام سے متعلق گمراہ کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔اسی طرح کچھ حضرات ایسے بھی مسلم دنیا میں پیدا ہوئے جنہوں نے مستشرقین کے اعتراضات کا جواب دینے کے لئے دفاعی پوزیشن اختیار کی اور اس میں غلو کی حد تک چلے گئے، جس کی وجہ سے جواب یا دفاع کی بجائے انہوں نے اسلام کے اصول اور مسلمات میں بھی تاویلات کیں۔

جس کی بہت ساری مثالیں ماضی اور حال میں ہمارے سامنے پائی جاتیں ہیں۔اس قسم کے عناصر کے ہاں اسلام کے بنیادی مصادر اور احکام کو مسخ کرکے پیش کرنے، احادیث مبارکہ کی حجیت کی بابت تردد یا انکار، اسلام کی ابدیت اور عالمگیریت کے تصور میں دراڑ، جہاد کے بارے میں شکوک وشبہات وغیرہ موضوعات کو زیادہ اچھالا گیا۔برصغیر میں مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کا جہاد کو معطل کرنے کا تصور بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ مستشرقین کے ان اعتراضات کے جواب پر محققین نے نہایت وقیع کام کیا ہے اور مسلمانوں کے اندر موجود استشراقی فکر کے پھیلانے والے گروہوں کے لئے بھی عملی اور علمی بنیادوں پر اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کی قابل تحسین کوششیں کی ہیں۔

## جہاد کے متعلق مستشرقین کی آراء:

### جہاد سے متعلق مستشرقین کے عمومی اعتراضات

مستشرقین نے عمومی طور پر اسلامی علوم کا مطالعہ اپنے خاص نقطہ نظر اور تعصب کی عینک لگا کر کیا ہے، جس کی وجہ سے انہوں نے اسلام کے منفی پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے، اور مثبت پہلو زیادہ تر ان کی نظروں سے اوجھل رہے ہیں، اسی طرح جہاد کے متعلق بھی ان کا رویہ ایک خاص تناظر میں رہا ہے، چنانچہ مستشرقین میں سے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ

1۔ جنگیں شان نبوت کے منافی ہیں، کیونکہ ان کے ہاں عیسائیت میں صرف عبادت کا تصور رہا ہے، جب کہ ریاست کا قیام اور اس کے تقاضوں کو وہ مذہب کے منافی سمجھتے چلے آرہے ہیں۔

2۔ دوسرا اعتراض جہاد پر یہ کیا جاتا ہے کہ اسلام تلوار کے زور پر پھیلا ہے، دلیل کی قوت کے زور پر نہیں مسلمانوں نے تلوار لوگوں کو اسلام میں داخل کرنے کے لئے اٹھائی۔

3۔ تیسرا اعتراض جو جہاد کے حوالے سے مستشرقین کی طرف سے کیا جاتا ہے وہ یہ کہ جہاد تو لوٹ مار کا ایک طریقہ تھا جس کو مذہب کے ساتھ جوڑ کر ایک مقدس عمل بنا کر پیش کیا گیا۔

4۔ چوتھا اعتراض جو جہاد کے حوالے سے جو آج بھی تواتر کے ساتھ کیا جاتا ہے اور ساری دنیا کا اس بارے میں جو ذہن

بنایا گیا وہ یہ کہ جہاد تو ظلم اور غارت گری کا دوسرا نام ہے جسے آج دنیا دہشت گردی سے موسوم کرتی ہے۔ ذیل میں ان اعتراضات اور اسلامی نقطہ نظر کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا جارہا ہے۔

**جہاد کا عمل شانِ نبوت کے منافی ہے؟**

پہلا اعتراض کہ جہاد نبوت کے منافی ہے ایک مستشرق لکھتا ہے کہ:

"جنگیں اور ہجرت نبوت کی شان کے منافی ہیں، اور پیغمبر علیہ السلام نے جنگیں صرف دنیاوی مفاد کے لئے لڑی ہیں، کیونکہ جنگوں کی وجہ سے اگرچہ مسلمان مال و دولت سے بہرہ ور ہو گئے لیکن اس سے ان کی دینداری متاثر اور مجروح ہو گئی۔"[1]

اسی طرح ایک اور مستشرق جہاد کو جارحیت سے تعبیر کرتے ہیں اور ان کے بقول:

"اسلامی سیاست درون خانہ استبداد ہے جبکہ بیرون خانہ جارحیت پر مبنی ہے، اور مسلمان حاکم داخلی طور پر لوگوں کو دبا کر رکھتے ہیں لیکن ملک کے باہر وہ جارحیت کے لئے تیار رہتے ہیں، اس کے برعکس عیسائیت محبت اور نرمی پر مبنی مذہب ہے، جو عالمی اخوت کا درس دیتا ہے جب کہ اسلام کا تصور اخوت صرف اپنے پیروکاروں تک ہی محدود ہے"۔[2]

ان دونوں مصنفین کے بیانات کو اگر مد نظر رکھا جائے، اور دوسری طرف اسلامی تعلیمات جنگ اور میدان جنگ کی اخلاقیات کو سامنے رکھا جائے، تو یہ بات واضح ہو کر سامنے آتی ہے، کہ ان حضرات کا اسلامی تعلیمات کی بابت یا تو مطالعہ نہایت ہی ناقص ہے، یا اس حد تک شدید تعصب کا شکار ہیں کہ واضح طور پر بیان کیے گئے آداب القتال اور مقاصد قتال کو یکسر نظر انداز کر چکے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں ہجرت نبوی ﷺ اور اس کے بعد غزوات کو صرف سیاسی مقاصد پر مبنی قرار دیا گیا ہے مثلاً اس بابت مشہور مستشرق ولیم میور کا بیان ہے کہ:

"یہ ساری کاوشیں اور جہود جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار کی یہ محض سیاسی مقاصد کے لئے تھیں، کیونکہ انہوں نے اس وقت تک یعنی واقعہ بنی قریظہ تک جبر اور اکراہ کا راستہ اختیار نہیں کیا تھا۔"[3]

اسی طرح ایک اور مستشرق واشنگٹن ایرونگ لکھتا ہے:

"ہجرت مدینہ کے بعد پیغمبر اسلام کی زندگی میں ایک زبردست تغیر اور تبدیلی آئی اور انہوں نے سیدنا عیسی علیہ السلام کی تعلیمات سے انحراف کیا، جو عدم تشدد و جبر اور قوت کے وسائل کو استعمال کرکے کفار کے دلوں تک پہنچنے کے خلاف تھا"۔[4]

حالانکہ اسلام سے پہلے بھی جہاد کا تصور موجود رہا ہے، اسلام اس تصور کا بانی نہیں ہے بلکہ یہ سابقہ آسمانی مذاہب کے احکام کا تسلسل ہے جسے اسلام نے بھی باقی رکھا اور اس کو شرائط و ضوابط اور آداب کے ساتھ پہلے سے زیادہ اچھے انداز میں جاری رکھا ہے۔ قرآن نے حضرت موسی کے اپنی قوم کو جہاد پر ابھارنے اور بنی اسرائیل کی جہاد سے روگردانی کو اس طرح بیان کیا ہے:

﴿ یٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِیْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَ لَا تَرْتَدُّوْا عَلٰۤى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِیْنَ ﴿۲۱﴾ قَالُوْا یٰمُوْسٰۤى اِنَّ فِیْهَا قَوْمًا جَبَّارِیْنَ ۖۗ وَ اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى یَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ﴿۲۲﴾ قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَیْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ۬ وَ عَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْۤا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۲۳﴾ قَالُوْا یٰمُوْسٰۤى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَاۤ اَبَدًا مَّا

دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿۲۴﴾[5]

اے برادران قوم! اس مقدس سرزمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دی ہے، پیچھے نہ ہٹو ورنہ ناکام و نامراد پلٹو گے" انہوں نے جواب دیا "اے موسیٰؑ! وہاں تو بڑے زبردست لوگ رہتے ہیں، ہم وہاں ہرگز نہ جائیں گے جب تک وہ وہاں سے نکل نہ جائیں ہاں اگر وہ نکل گئے تو ہم داخل ہونے کے لیے تیار ہیں" اُن ڈرنے والوں میں دو شخص ایسے بھی تھے جن کو اللہ نے اپنی نعمت سے نوازا تھا اُنہوں نے کہا کہ "ان جباروں کے مقابلہ میں دروازے کے اندر گھس جاؤ، جب تم اندر پہنچ جاؤ گے تو تم ہی غالب رہو گے اللہ پر بھروسہ رکھو اگر تم مومن ہو" لیکن اُنہوں نے پھر یہی کہا کہ "اے موسیٰؑ! ہم تو وہاں کبھی نہ جائیں گے جب تک وہ وہاں موجود ہیں بس تم اور تمہارا رب، دونوں جاؤ اور لڑو، ہم یہاں بیٹھے ہیں"

بائبل میں جہاد کا حکم اس طرح بیان کیا گیا ہے:

"جب تو کسی شہر سے جنگ کرنے کو اس کے نزدیک پہنچے تو پہلے اسے صلح کا پیغام دینا، اگر وہ تجھ کو صلح کا جواب دے اور اپنے پھاٹک تیرے لیے کھول دے تو وہاں کے سب باشندے تیرے باج گزار بن کر تیری خدمت کریں اور اگر وہ تجھ سے صلح نہ کرے بلکہ تجھ سے لڑنا چاہے تو تو اس کا محاصرہ کرنا اور جب خداوند تیرا خدا اسے تیرے قبضے میں کردے تو وہاں کے ہر مرد کو تلوار سے قتل کر ڈالنا، لیکن عورتوں اور بال بچوں کو اور چوپایوں اور اس شہر کے سب مال کو اپنے لیے رکھ لینا۔"[6]

بائبل کی تعلیمات اور اسلامی تعلیمات کو دیکھیں تو اسلام کے تصور جہاد کی خوبصورتی اور واضح ہو جاتی ہے، بائبل میں صلح کی صورت میں دوسرے فریق کو باج گزار بن کر رہنا ہوگا اور جنگ کی صورت میں فریق مخالف کے سب مرد قتل کئے جائیں گے، جب کہ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ جب تم دشمن سے جہاد کرنے کے لئے جاؤ تو سب سے پہلے اسلام کی دعوت دو، اگر وہ اس دعوت کو قبول کرلیں تو ہمارے بھائی ہیں اور اگر دشمن اسلام قبول کرنے کے لئے تیار نہ ہو تو دوسرے نمبر پر یہ ہے کہ جزیہ دے کر اسلام کی بالادستی قبول کرلیں۔ اس صورت میں انہیں جان و مال اور آبرو کا تحفظ حاصل ہوگا، اپنے مذہب پر عمل کرنے کی آزادی ہوگی، مذہبی تعلیم کے ادارے اور عبادت گاہوں کو قائم رکھا جائے گا اور مسلمان ان کی جان و مال کے تحفظ کے ذمہ دار ہوں گے۔ اور اگر وہ اس کو بھی ماننے پر تیار نہ ہوں تو پھر ان سے جہاد کیا جائے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی تصور جہاد میں جہاد کا مقصد کافروں کو زبردستی دین اسلام میں داخل کرنا نہیں بلکہ انہیں اسلام کی تعلیمات سے روشناس ہونے کا موقع فراہم کرنا ہے، اور اسلام اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ غیر مسلموں کو اپنے مذہب پر قائم رہتے ہوئے، آزادی کے ساتھ عمل کرنے کا اختیار ہے، لیکن "وحی" کی روشنی اس کی بالادستی اور فروغ میں رکاوٹ نہ بنیں اور اس کے مدمقابل نہ ہوں، کیونکہ اگر کوئی ایسا کرے گا تو وہ انسانوں کو ان کے رب کی تعلیمات سے دور کرے گا، اور اسلام اس قسم کی حائل رکاوٹوں کو دور کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اور اس اعلیٰ مقصد کے لئے کی جانے والی جنگ کو ہی جہاد کہا جاتا ہے۔

مستشرقین نے اس سے پہلے جو مفروضے قائم کئے ان میں سے ایک اہم مفروضہ اسلام اور شریعت اسلامیہ کو محض عرب خطے اور وہاں کے لوگوں کے ساتھ مختص کرنے کا ہے، چنانچہ ان کے ہاں اسلام کے مخاطب صرف اہل عرب ہیں، جنہوں نے باقی دنیا کو قبضہ میں کرنے کے لئے جہاد کو مذہبی رنگ میں رنگا ہے۔

مشہور مستشرق ولیم میور کا بیان ہے:

"اسلام کی بین الاقوامی دعوتی فکر کا تصور بعد کی پیداوار ہے، کیونکہ بہت ساری آیات واحادیث کے اس پر دلالت کرنے باوجود خود پیغمبر اسلام نے اس بارے میں کبھی نہیں سوچا، اور انہوں نے اپنی حیات مبارکہ کے دوران عرب دنیا کے علاوہ کسی کو دعوت نہیں دی"[7]

حالانکہ اسلام اس کے بالکل برعکس ہے، جس کے مخاطب صرف ایک خطے، رنگ نسل یا زبان کے لوگ نہیں ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ جل شانہ نے اس کی وضاحت فرمائی ہے۔

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾[8]

ترجمہ: اور (اے نبی ﷺ) ہم نے تم کو تمام ہی انسانوں کے لیے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے، مگر اکثر لوگ جانتے نہیں۔

اور خود آپ ﷺ نے بھی اس بات کی وضاحت فرمادی کہ آپ ﷺ کی بعثت کسی مخصوص خطے یا مخصوص قوم کے لئے نہیں بلکہ پوری انسانیت کے لئے ہے، ارشاد مبارک ہے:

عن ابن عباس، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " أعطيت خمسا لم يعطهن أحد قبلي، ولا أقوله فخرا: بعثت إلى كل أحمر وأسود، فليس من أحمر ولا أسود يدخل في أمتي إلا كان منهم، وجعلت لي الأرض مسجدا "[9]

حضرت عبداللہ بن عباس روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے پانچ چیزیں دی گئیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں، اور یہ میں بڑائی کے طور پر نہیں کہتا، مجھے ہر گورے اور کالے کی طرف مبعوث کیا گیا ہے۔

مستشرقین کے اس قسم کے بیانات کا مقصد اور جہاد کے متعلق اس قسم کے من گھڑت تصورات کو پھیلانے کی پشت پر صرف ایک ہی جذبہ کارفرما تھا کہ مسلمانوں کے ہاں جذبہ جہاد کی چنگاری بجھادی جائے، اور ان کو یہ باور کرایا جائے کہ جہاد صرف قتل وغارت گری ہے جس کے ذریعے صرف انسانیت کا قتل ہوتا ہے، اور اس کا کوئی اعلیٰ وارفع مقصد نہیں۔ دوسری طرف متمدن دنیا اس قتل وغارت گری کا الزام دوسروں کو دیتی ہے حالانکہ موجودہ دور میں قتل وغارت کا عملی مظاہرہ استعماری قوتوں نے کیا کہ خود امریکی صدر نے افغانستان میں مقدس صلیبی جنگ کا باقاعدہ آغاز کیا، جہاد کو دہشت گردی سے تعبیر کیا، اور جہاد کے حاملین کو دہشت گرد قرار دے کر پوری دنیا میں بدنام کیا گیا۔ مغربی اقوام کی کاوشوں کی وجہ سے مسلم دنیا میں جہاد کی بات کرنے والا یا اس کی ترغیب دینے والا، یا کفار کے مظالم کے خلاف مسلح جدوجہد کے لئے ریاست سے مطالبہ کرنے والے مطعون اور قید وبند کا شکار ہوئے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ مغربی فکر نے جان بوجھ کر جہاد اور دہشت گردی کو باہم خلط ملط کردیا اور مسلم فکر کے علمبردار اس حملے کا مکمل طور پر دفاع نہ کر پائے۔ ایک اطالوی مستشرقہ ریتا دیمایو اس حقیقت کا اعتراف یوں کر رہی ہے:

يجب أن ندرك أن أحد أهم أسباب انتشار ذلك الخلط يعود إلى إحجام الحكومات الإسلامية عن نشر حقيقة الجهاد في الإسلام باللغات غير العربية ۔ وأنا شخصيا رغم أنني غير مسلمة وجدت عند قرأتي المتعمقة أن هناك اختلافات جذرية بين الجهاد والإرهاب، فالجهاد يبدأ من جهاد النفس وصرفها عن فعل السوء، كما أن الجهاد المسلح كأمر مسموح به في الإسلام له شروط عديدة، لعل ابسطها هو ضرورة أن يدعو له الحاكم المسلم وليس أي شخص آخر۔[10]

یہ ضروری ہے کہ ہم اس بات کا ادراک کرلیں، کہ اس خلط مبحث کے انتشار کی پشت پر ایک اہم سبب مسلمان ریاستوں کا جہاد کے اسلامی حقیقی تصور کو دوسری زبانوں میں منتقل کرنے میں کوتاہی اور غفلت ہے، اور میں بذات خود باوجود غیر مسلم ہونے کے اپنے عمیق مطالعہ کی بنا اس حقیقت تک پہنچی ہوں، کہ جہاد اور دہشت گردی

میں جوہری فرق ہے۔ چنانچہ جہاد کی ابتداء جہاد بالنفس سے ہوتی ہے، کہ اپنے نفس کو غلط کاموں سے دور رکھا جائے، اسی طرح مسلح جہاد اسلام میں ایک جائز عمل ہے جس کی اپنی شرائط ہیں، اور ضرورت کے وقت حاکم ہی اس کے لئے اعلان کر سکتا ہے، اس کے علاوہ کوئی شخص انفرادی طور پر نہیں کر سکتا۔

ان کے اس بیان سے اس حد تک اتفاق کیا جا سکتا ہے کہ جہاد اور دہشت گردی میں جوہری فرق ہے، لیکن جہاد سے متعلق غلط فہمیوں کے پیدا کرنے کے بہت سارے اسباب ہیں، جو مستقل مطالعے کا متقاضی موضوع ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مستشرقین جہاد کے تصور سے اس لئے ڈرتے تھے کہ ان کے ہاں یہ اسلام کے پھیلنے کا ایک اہم وسیلہ تھا، جب مسلمان جب جذبہ شہادت سے سرشار ہوتا ہے تو دنیا کی کوئی قوت اسے روک نہیں سکتی، اس بابت مسلم ورلڈ کی یہ عبارت نہایت فکر انگیز ہے کہ:

إِنَّ شَيْئًا مِنَ الخَوْفِ يَجِبُ أَنْ يُسَيْطِرَ عَلَى العَالَمِ الغَرْبِيِّ، وَلِهَذَا الخَوْفِ أَسْبَابٌ مِنْهَا: أَنَّ الإِسْلاَمَ مُنْذُ أَنْ ظَهَرَ فِي مَكَّةَ لَمْ يَضْعَفْ عَدَدِيًّا، بَلْ دَائِما فِي ازْدِيَادٍ وَاتِّسَاعٍ. ثُمَّ إِنَّ الإِسْلاَمَ لَيْسَ دِينًا فَحَسْبُ، بَلْ إِنَّ مِنْ أَرْكَانِهِ الجِهَادُ. وَلَمْ يَتَّفِقْ قَطُّ أَنَّ شَعْبًا دَخَلَ الإِسْلاَمَ ثُمَّ عَادَ نَصْرَانِيًّا[11]

جس چیز سے عالم غرب کو خوف لاحق ہے وہ ان پر غلبہ کا حصول تھا، اور اس خوف کے کئی اسباب ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ جب سے مکہ مکرمہ میں اسلام کا ظہور ہوا ہے تب سے یہ مسلسل عددی اعتبار سے بڑھ رہا ہے، پھر اسلام محض ایک دین نہیں بلکہ اس کے ارکان میں سے جہاد ہے اور اسلام میں اس بات کی گنجائش نہیں کہ جب ایک قبیلہ یا شخص اسلام میں داخل ہو جائے پھر وہ دوبارہ نصرانی بن جائے۔

اس سے واضح طور پر یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ان کے اعصاب پر اسلام کا خوف کس حد تک سوار ہے، اور اس باب میں جہاد کو وہ بطور خاص اپنے لئے خطرہ سمجھتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ مستشرقین نے اس پہلو سے نفرت انگیز حد تک اسلام اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ کو ہدف تنقید بنایا ہے۔ اسی وجہ سے وہ اسلام کو دین سیف اور مادیت پر مبنی دین تسلیم کرتے ہیں جس میں روحانیت نہیں بلکہ عیسائیت کو اس کے مقابلے میں روحانی مذہب قرار دیتے ہیں، جیسا کہ جولیمین نے اس بابت ہرزہ سرائی کی ہے کہ:

إِنَّ مُحَمَّدًا، مُؤَسِّسُ دِينَ المُسْلِمِينَ، قَدْ أَمَرَ أَتْبَاعَهُ أَنْ يُخْضِعُوا العَالَمَ وَأَنْ يُبَدِّلُوا جَمِيعَ الأَدْيَانِ بِدِينِهِ هُوَمَا أَعْظَمَ الفَرْقَ بَيْنَ هَؤُلاَءِ الوَثَنِيِّينَ (المُسْلِمِينَ) وَبَيْنَ النَّصَارَى! إِنَّ هَؤُلاَءِ العَرَبِ قَدْ فَرَضُوا دِينَهُمْ بِالقُوَّةِ وَقَالُوا لِلنَّاسِ: أَسْلِمُوا أَوْ مُوتُوا بَيْنَمَا أَتْبَاعُ المَسِيحِ رَبِحُوا النُّفُوسَ بِبِرِّهِمْ وَإِحْسَانِهِمْ. -[12]

محمد ﷺ ایسے دین کے موسس ہیں، جنہوں نے اپنے متبعین کو پوری دنیا کو اپنے سامنے سر تسلیم خم کرنے کا حکم دیا ہے، اور یہ کہ تمام ادیان کو اپنے دین میں تبدیل کریں، اور یہی مسیحیت اور اسلام کے درمیان فرق ہے، کیونکہ ان اہل عرب نے قوت اور سطوت کے ذریعے اپنے دین کو لاگو کیا، اور لوگوں کے سامنے دو اختیار رکھے کہ یا اسلام قبول کر لو، یا مر جاؤ۔ جب کہ مسیحیت نے لوگوں کو نیکی اور بھلائی کے ذریعے اپنا ہمنوا بنایا۔

اسی طرح برطانوی مستشرق ہملٹن گب لکھتا ہے:

"اسلامی غزوات اور جنگیں محض عدوات، دشمنی، اور زمینی توسع پر مبنی تھیں"۔[13]

یہ عبارت سراسر مبنی بر کذب وافتراء ہے کیونکہ اسلام کے بنیادی اصولوں میں سے ایک عدم اکراہ ہے، اور کسی کو زبردستی مسلمان بنانا جائز نہیں، مسلمانوں نے اسلام قبول کرانے کے لیے کبھی تلوار کا استعمال نہیں کیا اور نہ ہی بندوق کی نوک پر کلمہ پڑھایا۔ اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ تاریخ میں مسلمانوں کے ہاتھوں کبھی مفتوح قوم کے عبادت خانے مسمار نہیں ہوئے، مذہبی آزادی پر قدغن نہیں لگائی گئی اور تمام تر قوت کے باوجود دیگر مذاہب کے خلاف مذہبی جبر کی مثال نہیں ملتی

،ہمیشہ جس نے بھی اسلام قبول کیا اس دین کی خوبصورت تعلیمات سے متاثر ہو کر کیا، ورنہ کیا وجہ ہے کہ آج یورپ اور امریکہ میں تیزی سے پھیلنے والا مذہب اسلام ہے حالانکہ آج کے مسلمان تو قوت اور سطوت میں یورپ اور امریکہ کے ہم پلہ نہیں، البتہ تبلیغ اسلام اور اسلامی تعلیمات کی ترویج کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے والوں اور مزاحمت کرنے والوں سے مسلمانوں نے ضرور جہاد کیا ہے جو ہمیشہ جاری رہے گا۔ اس کے مقابلے میں عیسائیوں اور دیگر مذاہب نے جب بھی طاقت اور اقتدار حاصل کیا تبدیلی مذہب کے لیے بے پناہ طاقت استعمال کی ، اسپین میں مسلمانوں کو زبردستی عیسائی بنایا گیا اور یورپ کے مختلف ملکوں میں یہودیوں کو ان کے مذہب سے دست بردار کرایا گیا، ہندوستان میں شدھی تحریک کے زمانے میں ہندوؤں کی طرف سے مسلمانوں پر جبر کیا گیا حالانکہ ہندوستان میں مسلمانوں کے کئی سو سالہ اقتدار میں کسی ایک ہندو کو بھی زبردستی مسلمان نہیں کیا گیا۔ فتح مکہ اور فتح حنین کے بعد مفتوح اقوام کے ساتھ مسلمانوں کا برتاؤ تاریخ میں ایک روشن مثال ہے۔

اس حقیقت کا اعتراف مستشرقین میں سے بعض حقیقت پسند مصنفین نے بھی کیا ہے، جیسا کہ john Daven Port[14] نے لکھا ہے:

> غزوہ حنین کے موقع پر چھ ہزار قیدی مسلمانوں کے ہاتھ آئے، مال غنیمت میں ۲۸ ہزار گھوڑے ملے، لیکن رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدی آزاد کر دیے اور مال غنیمت بھی واپس کر دیا، مخالفین پیغمبر ﷺ کی اس فیاضی اور نرمی پر توجہ دیں، اسی طرح مکہ کی فتح کے بعد بھی حضور ﷺ کے پاس غیر معمولی قوت تھی، مگر ان کی نرمی اور بردباری کا وہی سابقہ عالم رہا، انہوں نے ابلاغ حق کا کام جاری رکھا، مگر جبر واکراہ سے کسی کو مسلمان نہ بنایا۔[15]

اسی طرح مسٹر ایڈورڈ گبن لکھتے ہیں:

> "تمدن کی ابتدائی حالت میں ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ بزورِ اسلحہ اپنی جان ومال کی حفاظت کرے، اپنے دشمنوں کے تشدد کو دفع کرے یا بطور انتقام کے اُن کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرے اور اپنی مخالفت کو اطمینان اور انتقام کی ایک معقول حد تک وسعت دے۔ عرب کے آزاد تمدن میں رعایا اور صاحب اقتدار قبائل کے فرائض میں کچھ یوں ہی فرق تھا اور اس حالت میں جبکہ آنحضرت ﷺ ایک صلح جو اور خیر اندیش تبلیغ کر رہے تھے، آپ اپنے ہم وطنوں کی ناانصافی کا شکار ہو کر جلاوطن کئے گئے۔"[16]

**خلاصہ کلام:**

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مستشرقین نے اگرچہ مشرقی علوم کا مطالعہ کیا ہے لیکن ان کا ذاتی انسلاک ان کی حقیقت پسندی کے سامنے حائل ہو جاتا ہے، جبکہ دوسری طرف ان کے اہداف اور مقاصد ان کو حق بیان کرنے سے مانع ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان میں سے اکثر مستشرقین نے حقائق کو مسخ کرکے پیش کیا ہے، اسی طرح ایک اور اہم عامل ان کے ہاں اصل مصادر کا بالاستیعاب مطالعہ نہ کرنا ہے جس کی وجہ سے حقائق سے وہ اکثر لاعلم رہتے ہیں، کیونکہ محض عربی زبان سیکھ کر کچھ کتب کا مطالعہ اسلامی تعلیمات کو سمجھنے کے لئے کافی نہیں ہے۔

انہی وجوہات کی بنا پر مستشرقین نے جہاد کے صحیح مفہوم اور اس کی حقیقت بیان کرنے کی بجائے اسے محض قتل وغارت گری، جبر واستبداد، مالی مفادات کا حصول اور ریاست کی توسیع سے تعبیر کیا ہے، حالانکہ اسلام کا تصور جہاد نہایت واضح ہے، اور اس کے متعلق تاریخی روایات کا ہی اگر منصفانہ تجزیہ کوئی مستشرق کرتا تو یقیناً ان کے نتائج یکسر مختلف ہوتے۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0

International License.

## حواشی وحوالہ جات

[1] *Washington iriving, Mahomet and his Successors, published by Collier and Sons, New York.*

[2] *P D Leacy Johnston, Muhammad and his Power, Aden bra, England.*

[3] *Muir, William, the life of Mohammad, Boston, Admamant Media Corporation, 2001 AD, P, 282.*

[4] ایرونگ واشنگٹن، محمدؐ وخلفاؤہ (مصر: الدار البیضاء، مرکز الثقافی العربی،۲۰۰۱ء) ، ص: ۲۱۰

*Washington iriving, Mahomet and his Successors,(Egypt: Al-Dār al-Byḍā,, Markaz al-Thiqāfaī al-'rabī, 2001ac), p:210*

[5] ۔ سورۃ المائدۃ : ۲۲-۲۴

*Al-Mā,dat, Verse: 22-24*

[6] ۔کتاب استثنا۲۰: ۱۰

*Kitāb al-Istithnā,, 20:10*

[7] *Muir, Willam, The Caliphate, the religious tract society, London, 1892AD P, 43,49*

[8] ۔ سورۃ السبا: ۲۸

*Al-Sabā, Verse:28*

[9] ۔احمد بن حنبل، المسند (بیروت: مؤسسۃ الرسالہ ،۲۰۰۱ء) باب مسند عبداللہ بن عباس، رقم۲۲۵۶۔ج: ۴، ص: ۱۱۹

*Aḥmad bin Ḥanbal, Al-Musnad, (Mū,assiat al-Risālat, Beriūt,2001ac), Bāb Musnad 'bd Allāh bin *abbās, Ḥadīth # 2256, Vol:04,p: 119*

[10] ۔ محمد مختار المفتی، إسہامات العلماء والمستشرقین فی الفکر الاسلامی (القاہرہ، دار البیان، ۱۹۹۴ء) ص: ۹۰

*Muḥammad Mukhtār al-Muftī, Ishāmāt al-'ulāmā, wa al-Mustashriqīn fī al-Fikar Al-Islāmī, (Cario: Dār al-Bayān, 1994ac), p:90*

[11] ۔ محمد البہی، مجلۃ مسلم ورلڈ، ( مصر: مطبعۃ الازہر، عدد جون ۱۹۳۰ء) المستشرقون والمبشرون فی موقفھم من الاسلام، ص: ۷

*Muḥammad Al-Bahī, Magzine Muslim World, (Egypt: Maṭba'at al-Azhar, Issue-June, 1930ac), Al-Mustashriqūn wa al-Mubashirūn fī Mawqifihim Min Al-Islām, p:07*

[12] ۔المصدر السابق، ص: ۹

*Ibid,p:09*

[13] ہملٹن گب، دراسات فی حضارات الاسلام، ترجمہ احسان عباس، ( بیروت: دار العلم للملایین، ۱۹۷۹ء) ص: ۵۰

*Himalton Gib, Dirāsāt fī Ḥiḍarāt al-Islām, Translation by: Iḥsān 'bbās, (Dār al-'lm le al-Malayīn, 1979ac), p:50*

[14] ۔ جان ڈیون کا شمار معتدل مستشرقین میں ہوتا ہے، جنہوں نے انیسویں صدی کے وسط میں ایک کتاب اسلام کے دفاع اور مستشرقین کے انتقادات کا جواب دیا ہے، ان کے جوابات عادلانہ ہیں۔

[15] *John Daven Port, An apology for Muhammad and Koran.*

[16] ۔ایڈورڈ گبن، انحطاط وزوال سلطنت روما (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، پاکستان، ۲۰۱۱ء) ج: ۶، ص: ۲۴۵

*Eydvord Gibn, Inḥiṭāṭ wa Zawāl Salṭanat Roūmā, (Islāmabād: Muqtadirat Qawmī Zabān, Pākistān, 2011ac), Vol:06,P:245*